آپؒ کی رحلت: آپؒ نے ۱۹۸۶ء میں وفات پائی اور یوگو میں مدفون ہوئے۔

ازواج واولاد: آپؒ کے تین بیٹے ہیں: بڑا فرزند مولانا شاکر حفظہ اللہ پنجاب میں پڑھنے کے بعد مدینہ یونیورسٹی سے بھی فارغ التحصیل ہوئے۔ وزارة الشئون الاسلامية کی طرف سے شارجہ میں دعوت دین میں مصروف عمل ہیں۔لوگوں کے مسائل بڑی ذہانت سے حل کرتے ہیں۔آل واولاد کے ساتھ شارجہ ہی میں مقیم ہیں۔اپنے والد گرامی کے متعلق معلومات فراہم کرنے کی استدعا کئی بار خوبصورتی کے ساتھ ٹال گئے۔

دوسرا بیٹا حمید اللہ صاحب محکمہ تعمیرات عامہ میں آرمی کے اہم منصب پر فائز ہیں۔تیسرا بیٹا عبد الظاہر صاحب محکمہ خوراک مین کوٹھیالہ ہیں۔مولانا مکی مرحوم جسمانی اعتبار سے نحیف ونزار تھے۔لمبی لمبی پلکیں، لمبی شرعی داڑھی، جھری دار چہرہ، خوبصورت رووالا، پُرنور اور عالم بڑھاپے میں کمر جھکا کر چلتے تھے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اللہ تعالیٰ سے فریاد: ''اللهمَّ أعطِ نفسِي تقْوَاها وزكِّها وأنتَ خيرُ مَن زَكَّاها، أنتَ وَلِيُّها ومَوْلاها.''

''اللهمَّ لَكَ أسلَمتُ وبِكَ آمنتُ وعليكَ توكَّلتُ وإليكَ أنبتُ وبِكَ خاصَمتُ، أعوذُ بعزَّتِكَ أن تُضِلَّني، لآ إله إلآ أنتَ الحَيُّ الَّذِيْ لا يموتُ، والجِنُّ والإنسُ يَمُوتُونَ.''

''اللَّهُمَّ إنِّي أعوذُ بِكَ مِن علمٍ لا ينفعُ ومِن قَلبٍ لَّا يَخشَعُ ومِن نَفسٍ لَّا تَشبَعُ ومِن دَعوَةٍ لا يُستَجابُ لَهَا''

''اللّٰهُمَّ جَنِّبْنِيْ مُنكَراتِ الأخلاقِ والأعمالِ والأهواءِ والأدْوَاءِ''

''اللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وأعِذْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ''

''اللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلالِكَ عَنْ حَرامِكَ وأغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ.''

''اللّٰهُمَّ إنِّي أسألُكَ مِنَ الخيرِ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وآجِلِهِ مَا علِمتُ مِنهُ وما لَم أعلَم، وأسألُكَ مِن خيرِ ما سَألَكَ مِنهُ عَبدُكَ وَنَبِيُّكَ محمدٌ''(درود شریف)

''اللّٰهُمَّ إنِّي أسألُكَ الجَنَّةَ وما قَرَّبَ إليهَا مِن قَوْلٍ أو عمَلٍ، وأسألُكَ أن تَجعَلَ كُلَّ قَضاءٍ قَضَيتَهُ لِي خيرًا''

''لآ إله إلا اللهُ ولا نَعبُدُ إلآ إيّاهُ، لَهُ النِّعمَةُ وله الفَضْلُ وله الثناءُ الحَسَنُ، لآ إله إلا اللهُ مُخلِصِينَ لَهُ الدِّيْنَ ولو كَرِهَ الكَافِرُوْنَ.''

بحالی عظمت رفتہ (قسط: 3 آخری)

جهاد فی سبیل الله

تصنیف: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
تلخیص: ابو محمد

درجہ سوم: ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ''ان سے عمدہ طریقے سے جھگڑو۔'' معاشرے میں عیسائی مشنریز، قادیانی، بہائی وغیرہ بھی سرگرم ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ مجادلہ ومناظرہ کرنا پڑے گا۔ یہ پیشہ ور تنخواہ دار داعی ہوتے ہیں، تیاری کرتے اور ٹریننگ لیتے ہیں۔ ان کو خاموش کیے بغیر دعوت نہیں چلے گی۔ اس کے لیے فن مناظرہ رائج ہے، جس میں عام طور پر مدمقابل کو قائل کرنے کے بجائے صرف اسے خاموش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بعض نے اس کے لیے اس آیت سے استدلال کیا ہے: ﴿وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ﴾ [العنکبوت ٤٦] ''اور اہل کتاب سے بحث مت کرو مگر عمدہ طریقے سے، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں۔'' یعنی ہٹ دھرمی کرنے والے ظالموں کا علاج مناظرہ ہے۔

گزشتہ صدی میں ایک پادری فنڈر نے کلکتہ سے دہلی تک تمام شہروں میں علمائے اسلام کو مناظروں میں شکست دی۔ پھر جامع مسجد دہلی میں سارے ہندوستان کے علماء کو چیلنج دیا۔ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اسے شکست دی، وہ بھاگ کر ترکی گیا۔ کیرانویؒ حج پر تھے کہ خلافت عثمانیہ نے اسے بلا بھیجا، اس کی آمد کی خبر پا کر وہ بھاگ گیا۔ عیسائیوں کے اعتراضات کے جواب میں انہوں نے ''**اظہار الحق**'' لکھی، اس کا ترجمہ بھی کیا اور خود حواشی بھی لکھے۔

دعوتِ دین، باطل عقائد کے خلاف جہاد کے تینوں مراحل کے لیے خوب محنت سے علم حاصل کرنا پڑے گا۔ مِنَ المهدِ إلى اللّحدِ کوشش جاری رکھنا پڑے گا۔

''قرآن'' بحیثیت آلہ جہاد:

جہاد فی سبیل اللہ کی ان دو منزلوں (جہاد مع النفس اور دعوت) کے لیے قرآن ہی مؤثر ہتھیار ہے۔ یہی وہ تریاق ہے جو پورے جسم میں پھیل جائے گا۔ قرآن انسان کے قلبی، باطنی اور روحانی امراض یعنی حسد، تکبر، بغض، عناد، حب مال، حب جاہ سب کے لیے شفا ہے۔ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ○ قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا

يَجْمَعُوْنَ ○﴾ [یونس ۵۷،۵۸] ''لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو دلوں کے امراض کا علاج ہے اور جو اسے قبول کریں ان کے لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔ (اے نبی ﷺ) بتا دیجیے کہ یہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے جس نے اسے بھیجا۔ پس یہ وہ چیز ہے جس پر لوگوں کو خوش ہو جانا چاہیے۔ یہ ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ سمیٹ رہے ہیں۔''

پس شیطان، نفس انسانی دونوں کے خلاف جہاد کے لیے قرآن پاک ہی ہتھیار ہے۔ حکمت قرآنی ہی حکمت ایمانی ہے۔ فرمانِ باری ہے: ﴿ذٰلِکَ مِمَّآ اَوْحٰی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَةِ﴾ [الإسراء ۳۹]

اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیم و تربیت کی بلند ترین منزل یہی حکمت ہے۔ ﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ﴾ انقلابِ نبوی کے اساسی منہج کے چاروں عناصر قرآن مجید میں چار مقامات پر بیان ہوئے ہیں۔ سورۃ البقرۃ ۱۵۱، آل عمران ۱۶۴ اور سورۃ الجمعۃ ۲ میں۔ ایک جگہ ترتیب ذرا بدلی ہوئی ہے، جو حضرات ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کی دعا ہے: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْهِمْ﴾ [البقرۃ ۱۲۹]

امت کا المیہ ہے کہ بہت طویل عرصے تک اس اصل ''حکمت'' کو نظر انداز کرتے ہوئے یونانی فلسفہ و منطق ہی کو ''حکمت'' قرار دیا جاتا رہا۔

ارسطو کی منطق نے ہمارے ہاں فروغ پائی۔ ابن سینا، فارابی، کندی اور ابن رشد سب ارسطو کی منطق کے شکار تھے۔ علمائے اسلام میں سے امام غزالیؒ اور ابن تیمیہؒ نے قرآنی حکمت کی بالاتری ثابت کر دی۔

حکمت و دانائی، موعظہ حسنہ، جدال سب کا منبع قرآن مجید ہے۔ یہی ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی پہلی اور دوسری منزل کا درکار ہتھیار ہے۔ ان دو منازل پر جماعت بھی ضروری نہیں، یہ جہاد انفرادی بھی ہو سکتا ہے۔ دعوت انفرادی کی اعلیٰ ترین مثال حضرت نوح علیہ السلام کی ہے۔

پہلی منزل پر کچھ اور لوگ مل جائیں جو اسی کوشش میں ہوں تو ﴿کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ کے مصداق ان کی صحبت سے کافی استفادہ ہو سکتا ہے۔ ایمان قوی اور جہاد فی سبیل اللہ والے مؤمنین صادقین کی منظم جماعت ہونا لازمی نہیں۔ البتہ ان کی درس گاہیں اور تحقیقی ادارے ہوں تو یقیناً مفید ہوگا۔

''جہاد فی سبیل اللہ'' کی بلند ترین منزل: ''اقامت دین''

جہاد فی سبیل اللہ کی بلند ترین منزل ''نظام کو بدلنے'' کی باقاعدہ جدوجہد ہے۔یعنی دین حق کو غالب کرنے کے لیے طاغوتی نظام کے خلاف جہاد کرنا۔

اس کے قرآنی اصطلاحات میں سے ایک ہے: **''تکبیر رب''** ﴿وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ○﴾ [المدثر ۳] اس سے پہلی آیت میں جہاد کی دوسری منزل بیان ہوئی ہے: ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ○﴾ [۲]

دوسری قرآنی اصطلاح ہے: **''اقامت دین''** فرمان الٰہی ہے: ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ﴾ [الشوریٰ ۱۳] ''دین حق کو قائم کرو اور اس میں فرقہ بندی مت کرو۔''

بعثت نبوی کا مقصد تین مرتبہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ﴾ [سورۃ التوبۃ:۳۳، الفتح:۲۸، الصف ۹] ''اللہ وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اس کو سارے ادیانِ عالم پر غالب کردے۔''

اس مقصد کے لیے مسلح مقابلے کا بھی حکم فرمایا: ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ [الأنفال ۳۹] ''اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور نظام سارا حکم الٰہی کے تابع ہو جائے۔''

اسی جہاد کو جدید اصطلاح میں **''اسلامی انقلاب''** کا نام دیا جاتا ہے۔

اس کو مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ''حکومت الٰہیہ کا قیام'' قرار دیا۔

مولانا مودودیؒ نے جماعت اسلامی کا نصب العین ہی ''حکومت الٰہیہ'' متعین کیا تھا۔

اسی پر علامہ مشرقیؒ اور خیری برادرانؒ نے بھی کام کیا۔

PNA کی تحریک میں ''نظام مصطفیٰ ﷺ'' کی اصطلاح اپنائی گئی۔

مختلف ادوار میں ''نظام اسلامی'' اور ''نظام خلافت راشدہ'' کا نام دیا گیا۔

بائبل میں اسے ''زمین پر آسمانی حکومت کا قیام'' کہا گیا ہے۔حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا مشہور جملہ ہے: ''توبہ کرو، کیونکہ آسمانی بادشاہت آنے ہی والی ہے۔''

یہ اشارہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا۔جن کے ذریعے ''آسمانی بادشاہت'' قائم ہوگئی۔

اقامت دین کی لازمی شرط: ''منظم جماعت''

جہاد فی سبیل اللہ کی پہلی دومنزلوں پر اصل ہتھیار قرآن مجید ہے، اوران دومنزلوں پر منظم جماعت کا وجود ضروری نہیں۔لیکن تیسری منزل کے لیے ایک منظم جماعت کا قیام لازمی ہے، جواس دعوت کی بنیاد پر قائم ہوئی ہو۔یہ نہیں کہ قومی سطح پر کوئی گروہ منظم ہوکر اجتماعی جدوجہد شروع کردے۔بلکہ جولوگ رب کی بندگی اور شہادت علی الناس کی دعوت قبول کرکے اس کے لیے قربانی دینے پرآمادہ ہیں، انہی پر مشتمل ایک منظم جماعت کا وجود ضروری ہے۔

منظم جماعت کے بارے میں فرمان نبوی ہے: ''يدُ اللهِ علَى الجماعةِ'' [الترمذي الفتن ح:٢١٦٨] ''اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے۔'' ''عَلَيكُمْ بِالجماعَةِ'' [الترمذي ح:٢١٦٥] ''تم پر جماعت کی شکل میں رہنا فرض ہے۔'' حضرت عمر فاروق ﷛ کا بیان ہے: ''إنَّهُ لا إسلامَ إلا بالجماعةِ، ولا جماعةَ إلا بإمارةٍ ولا إمارةَ إلا بطاعةٍ'' [الدارمي] ''یقیناً جماعت کے بغیر اسلام نہیں ہے، حکومت کے بغیر جماعت نہیں ہے اور اطاعت کے بغیر حکومت نہیں ہے۔'' جماعت کے لیے ایک ''امیر'' لازمی ہے۔اسی لیے علامہ اقبالؒ جو وحدتِ امت کے بڑے داعی تھے۔انہیں اپنے خطبات میں کہنا پڑا: دنیا میں کوئی امت مسلمہ نہیں ؛ بلکہ مسلم اقوام موجود ہیں۔

حضرت حارث اشعری ﷛ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''أنا آمرُكم بخمسٍ اللهُ أمرَني بهنّ: بالجماعةِ والسمعِ والطاعةِ والهجرةِ والجهادِ في سبيلِ اللهِ'' [أحمد ٤/١٣٠، الترمذي الأمثال ح:٢٨٦٧] ''میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے حکم فرمایا ہے: جماعت کی پابندی، حکم سننا، فرمانبرداری کرنا، ہجرت کرنا اور راہِ الٰہی میں جہاد کرنا۔'' یعنی سننے اور اطاعت کرنے والی جماعت ہونا ضروری ہے، جو ہجرت اور جہاد کے مراحل طے کرے گی۔افضل ہجرت کے بارے میں سوال پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''أن تهجرَ ما كَرِهَ ربُّكَ'' [النسائي البيعة ٧/١٤٤] افضل جہاد کے بارے میں فرمایا: ''أن تجاهدَ نفسكَ في طاعةِ اللهِ'' [حلية الأولياء ٢/٢٤٩] ''اپنے تئیں اطاعت الٰہی کا خوگر بنانے کی جدوجہد کرنا۔'' اس نکتے پر ہجرت اور جہاد باہم جڑ جاتے ہیں۔جب یہ تیسری منزل کا جہاد عروج پر پہنچتا ہے، تو اللہ کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر دارالاسلام میں آنا ''ہجرت'' کہلاتا ہے۔انقلابِ نبوی میں یہ مرحلہ ہجرت مدینہ کی صورت میں آیا جو مسلمانوں پر فرض کی گئی۔﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا﴾ [الأنفال ٧٢] ''جولوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہ کی تو ان سے تمہاری محبت کا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔

جہاد فی سبیل اللہ کی بلند ترین منزل ''قتال'' ہے۔

اس نکتے پر پہنچ کر ''ہجرت'' اور ''جہاد'' ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتے ہیں۔

اقامت دین کے مراحل

جہاد فی سبیل اللہ کی تیسری منزل یعنی اقامت دین کی کوشش کے لیے ایک منظم جماعت لازمی ہے جو کہ اس جہاد کا نقطہ آغاز ہے۔ پھر یہی جماعت اپنے کارکنوں کو تربیت دے کر دوسری منزل یعنی دعوت وتبلیغ کا حق ادا کرے گی۔

[1]: صبر محض: یہ انقلابی جماعت اقامت دین کے لیے اپنی جدوجہد کا آغاز صبر محض سے کرے گی۔ پہلے زبانی پھر جسمانی طور پر تشدد کا نشانہ بنے گی، اس مرحلے میں رسول اللہ ﷺ کو مجنون، شاعر، ساحر اور مسحور کہا گیا۔ یہ پروپیگنڈا بھی کیا گیا کہ ایک عجمی غلام سے تورات اور انجیل کی باتیں لیتے ہیں۔ آپ ﷺ کو جسمانی تشدد کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ نوجوانوں اور غلاموں کو سخت اذیت دی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چچا نے چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ نے تا مرگ بھوک ہڑتال کی۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ برہنہ گھر سے نکال دیے گئے۔ اس دور میں حکم تھا: ﴿كُفُّوا اَيْدِيَكُمْ﴾ [النساء] ''اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو'' دفاع میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔

اس کا فائدہ یہ ہوا کہ معاشرے کی خاموش اکثریت کی ہمدردیاں انقلابی افراد کو حاصل ہوئیں۔ خاموش اکثریت خاموش تو ہوتی ہے اندھی بہری نہیں ہوتی۔ اگرچہ وہ بول نہیں سکتی، اس میں ہمت وجرأت نہیں ہوتی۔ انقلابی دور میں ''جو دلوں کو فتح کرے وہی فاتح زمانہ'' ہوتا ہے۔

[2]: اقدام: انقلابی جماعت کی قیادت جب اپنی افرادی قوت (تعداد اور مطلوبہ تربیت) اور اخلاص نیت کے ذریعے طاقتور ہو چکے ہیں، تو آگے بڑھ کر باطل نظام کو چھیڑا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش کی تجارتی شاہراہ کو مخدوش کر کے ان کی معاشی ناکہ بندی کی۔ ان کی سیاسی ناکہ بندی کے لیے مختلف قبائل سے معاہدے شروع کر دیے، جس سے آپ ﷺ کے سیاسی اثر ورسوخ کا دائرہ بڑھنے اور قریش کا گھٹنے لگا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تجارتی قافلہ روکنے کی تیاری کر کے قریش کو میدان بدر میں آنے کا موقع دیا۔ یہ تیسری منزل کے جہاد کا دوسرا مرحلہ ہے۔

[3]: تصادم: باطل نظام کے مفادات پر زد پڑے گی تو دفاع میں اٹھ کر حملہ آور ہوں گے اور عملاً تصادم برپا ہوگا۔

اس تصادم کی دو شکلیں ہیں: ایک تو ہمیں سیرت نبوی میں ''قتال فی سبیل اللہ'' کی شکل میں نظر آتا ہے۔

﴿وَقَاتِلُوا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾[البقرة ١٩٠] ، ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾[الحج٣٩] ، ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾[الأنفال ٣٩] یعنی پورا نظام اللہ کی حاکمیت کے تابع ہو جائے۔ اس سے مقام محبوبیت حاصل ہو جاتی ہے: ﴿اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝﴾[الصف]

علامہ اقبالؒ نے کہا: محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

جیسے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا تھا: ''أ يُغلَبُ الدِّينُ و أنا حَيٌّ؟!''

{1} ''قتال فی سبیل اللہ'' فریقین کی مسلح جنگ ہے، جس کا ایک نقشہ یوں کھینچا گیا ہے: ﴿اِنَّ اللهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾[التوبة ١١١]

{2} موجودہ حالات میں مسلح تصادم

موجودہ دور میں اس کی ایک شکل ''یک طرفہ جنگ'' بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ حکومتیں بہت طاقتور ہیں اور نظام باطل کی محافظ ہیں۔ آپ نظام کو بدلنا چاہیں گے تو مسلح افواج، ایئر فورس، پولیس اور پیراملٹری فورسز ان کے اختیار میں ہیں اور عوام بالکل نہتے ہیں۔ اس لیے مقابلہ نہایت غیر مساوی ہے۔ پھر بھی جہاں اور جیسے یہ قابل عمل ہو، باطل نظام کے محافظ حکمرانوں سے قتال کیا جائے۔ اسے تو غلام احمد قادیانی نے حرام قرار دیا ہے۔

لیکن زیادہ قابل عمل صورت یہ ہے کہ عوام کو منظم مظاہروں کی صورت میں تحریک مزاحمت چلانا ہوگی۔ تحریک عدم تشدد پر مبنی سول نافرمانی چلانا ہوگی، جو بالآخر غیر مسلح بغاوت کی صورت اختیار کرے گی۔ جس میں حصہ لینے والے جان دینے کے لیے تیار ہوں، لیکن کسی کی جان لینے کے درپے نہ ہوں۔ جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آیا، اس نے قتال کا تقاضا پورا کر لیا۔ انہیں پولیس اور فوج کی گولیوں کا نشانہ بننا پڑے گا۔ ان پر لاٹھی چارج ہوگا۔ یہ جیلوں میں ٹھونسے جائیں گے۔

مقتول فی سبیل اللہ کا مقام

حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''من مات ولم يغزُ ولم يحدِّث به نفسَهُ مات على شعبةٍ من النفاقِ''[مسلم: الإمارة] قتال فی سبیل اللہ کی آرزو دل میں ہونا لازمی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے قسم اٹھا کر فرمایا: '' والذي نفسي بيده لَوَدِدتُ أني أقتلُ في سبيلِ اللهِ ثم أحيا ثم أقتلُ

ثُم أحيا ثم أقتَلُ ثُم أحيا ثم أقتَلُ'' [البخاري التمني ، الجهاد باب تمنى الشهادة، و باب الحمائل، مسلم الإمارة ح:١٨٧٦] اس حدیث میں چار مرتبہ ''قتل'' کا لفظ آیا ہے۔ اگر ہمارے دل اس آرزو سے خالی ہوں، تو ہمیں آپ ﷺ سے کیا نسبت ہے؟!

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ اَمْوَاتٌ﴾ [البقرة ١٥٤] ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ○﴾ [آل عمران ١٦٩]

''جہاد فی سبیل اللہ'' میں یہ وہ شہادت ہے جو منزل بہ منزل طے کرتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ اور نویں منزل پر پہنچ کر ''قتال فی سبیل اللہ'' کے مقام پر پہنچتی ہے۔ یہ سعادت ان لوگوں کا نصیب ہے، جو دو طرفہ قتال کرتے ہیں۔ اور اس میں وہ بھی ہیں جو یک طرفہ جنگ میں جانی قربانی دیتے ہیں۔ جیسے حضرت یاسر ؓ اور سمیہؓ صبر محض کے دور میں شہید ہو گئے۔

نظم جماعت کی مسنون اساس: ''بیعت سمع وطاعت''

جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے اسلامی نظام قائم کرنے والی جماعت بیعت سمع وطاعت کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں سے اس وقت بیعت لی جب قتال کا مرحلہ آنے والا تھا۔ حالانکہ ان پر آپ ﷺ کی اطاعت کلمہ پڑھنے سے ہی فرض ہو چکی تھی۔ تنظیم جماعت کی اور کوئی صورت بیعت سمع وطاعت کے بغیر ثابت نہیں۔ حضرت عبادہ بن الصامت ؓ کہتے ہیں: ''بايعنا رسولَ اللهِ ﷺ على السمعِ والطاعةِ في العسرِ واليُسرِ والمَنشطِ والمَكرهِ وعلىٰ أثرةٍ علينا وعلىٰ أن لا ننازعَ الأمرَ أهلَهُ وعلىٰ أن نقولَ بالحقِّ أينما كنا لا نخافُ في اللهِ لومةَ لائمٍ'' [البخاري الأحكام باب كيف يبايع الإمام الناس، مسلم الإمارة]

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ آپ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے، خواہ مشکل ہو یا آسانی، طبیعت آمادہ ہو یا اس پر جبر کرنا پڑے، خواہ آپ دوسروں کو ہم پر ترجیح دیں۔ جنہیں آپ امیر بنائیں گے ہم ان سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ جہاں بھی ہوں حق بات کریں گے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔'' یہ ہے ''حزب اللہ'' جس کے بارے میں فرمایا: ﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○﴾ [المجادلة ٢٢] ﴿فَاِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ ○﴾ [المائدة ٥٦]

نبی کریم ﷺ نے جو بیعت لی وہ بالکل غیر مشروط تھی۔ آپ کے بعد بیعت سمع وطاعت میں ''في المعروف'' کا